اِسلام میں عورت کی شہادت

محترمہ اُمِّ حسن صاحبہ۔ منصورہ، لاہور

(۲)

اصل بحث اب آئیے اصل بحث کی طرف یعنی عورت کی نصف شہادت کے بارے میں قرآن پاک میں سورۂ بقرہ میں قرض کے لین دین اور مالی معاملات کے دوران ارشاد ہوتا ہے:

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ - آیت-۲۸۲)

ترجمہ: اور اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بنا لیا کرو۔ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ گواہ وہ ہوں جنہیں تم پسند کرتے ہو تاکہ اگر ایک اُن میں سے بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔"

یاد رہے کہ ہندو مت ہو یا بدھ مت، بلکہ یہودیت، کسی میں عورت کی گواہی سِرے سے تسلیم ہی نہیں۔ یہ اِسلام ہی ہے جس نے عورت کو شہادت کا حق دیا ہے، مگر ساتھ ہی اپنے علم کامل اور تحقیق کی بنا پر عورت کی گواہی کو مرد کے مقابلے میں نصف تسلیم کیا ہے اور شہادت کا یہی نصاب انجیل میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (یوحنا۔ باب ۸ -ص ۱۷)

جب کہ دورِ جدید کے تفسیر بالرائے سے کام لینے والے متجدّدین آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

"گواہی تو ایک عورت دے گی، لہٰذا شاہدہ (گواہی دینے والی) وہی ہے،

جب کہ دوسری مذکرہ (یاد دلانے والی) ہے۔ جو شہادت کے کسی حصہ کو بھول جانے پر اطلاع دے گی[1]۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ:

"اسلام میں ایک عورت کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔"

جب کہ قرآنِ پاک مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ کے الفاظ لاکر دونوں عورتوں کو مع مرد کے شاہد قرار دے رہا ہے۔ دوسری صورت میں وہ ایک مرد اور ایک عورت کو تو شاہد کہتا ہے اور دوسری عورت کو مذکرہ۔ مگر اس نے سب کو شُهَدَآءِ کہا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں عورتوں کی حیثیت شاہد ہی کی ہے اور وہ دونوں بیک وقت گواہی دیں۔ تب اُن کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوگی۔ ویسے بھی مندرجہ بالا تفسیر پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ (آپ کے بقول) ایک عورت کی یادداشت قوی ہونے کی صورت میں دو کے بجائے اگر ایک ہی عورت کی گواہی قبول ہو سکتی ہے تو پھر ہمیں بھی یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ اگر دو عورتوں کی یادداشت کمزور ہے تو پھر دو کے بعد تیسری اور تیسری کے بعد چوتھی عورت کو بھی ایک مرد کے بجائے گواہی دینے کے لیے لایا جا سکتا ہے نعوذ باللہ۔

اصل بات یہی ہے کہ اگرچہ عورت کی یادداشت قوی ہو تب بھی اللہ کا حکم یہی ہے کہ ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کی گواہی ہی سے مکمل نصاب بنتا ہے۔

چند تفسیری حوالے اس آیت (۲۸۲- البقرہ) کی تفسیر میں چند مشہور تفسیروں سے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

۱- امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں: اکیلی عورت کی گواہی غیر مقبول ہے۔ جب دو عورتیں ہوں گی تب ایک گواہی بنے گی۔ اس طرح دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوگی۔ جلد ۳- ص ۸۲

---

[1] یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی موقع پر "ب" "ت" کو یاد دلائے اور پھر کسی جگہ "ب" بھولے تو "ت" یاد دلائے۔ یہ لین دین تو جاری رہے گا۔ (ف- ص)

۲۔ امام شوکانی "فتح القدیر" جلد ۱ ص ۳۰۱، ۳۰۲ پر لکھتے ہیں:

"تنہا عورتوں کی شہادت مردوں کے بغیر غیر مقبول ہے۔ سوائے ان معاملات کے جو عورتوں ہی سے مخصوص ہیں"۔

۳۔ تفسیر "روح المعانی" میں اس آیت کی تفسیر یوں درج ہے:

"ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ہمارے نزدیک قصاص اور حدود کے علاوہ باقی تمام معاملات میں ہے جب کہ امام شافعیؒ اس آیت کو مالی معاملات سے خاص سمجھتے ہیں، اور امام مالکؒ حدود و قصاص کے علاوہ ولاد اور احصان میں بھی عورت کی شہادت کو جائز نہیں سمجھتے۔ البتہ وہ وکالت اور وصیت میں (بشرطیکہ اس میں غلام کی آزادی یعنی عتق کا مسئلہ نہ ہو) جائز سمجھتے ہیں۔ تنہا عورتوں کی شہادت کو وہ ولادت، بکارت، بچہ زندہ پیدا ہوا یا مردہ جیسے نسوانی مسائل میں قبول و جائز سمجھتے ہیں"۔ (جلد ۱ ص ۵۰)

۴۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" جلد دوم ص ۴۳، ۴۴ پر تحریر کرتے ہیں:

"قصاص اور حدود میں صرف دو مردوں کی شہادت ہی قابلِ اعتبار ہے۔ اس کی اصل امام زہری کا یہ قول ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے یہ طریقہ چلا آتا ہے کہ حدود کے معاملات میں عورت کی شہادت قبول نہیں کی جاتی"۔ البتہ مالی معاملات میں ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول ہے۔ اور اس کی اصل سورۃ بقرہ کی آیت فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ" ہے۔ یعنی اگر دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنا سکتے ہو) اور اللہ تعالیٰ دو عورتیں ہونے کی وجہ اپنے اس قول میں بیان فرمادی "اگر ان دونوں میں سے ایک چوک جائے تو ایک دوسری کو یاد دلادے۔ یعنی عورتیں ناقص العقل ہیں۔ پس عدد کی زیادتی سے اس کمی کو پورا کرنا ضروری ہوا۔

۵۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب تدبر القرآن میں جلد ۱ ص ۵۹۷ پر رقمطراز

ہیں :-

" اگر مذکورہ صفات کے دو مرد میسّر نہ آسکیں تو اس کے لیے ایک مرد اور دو عورتوں کا انتخاب کیا جا سکتا ہے ۔ دو عورتوں کی شرط اس لیے ہے کہ اگر ایک سے کسی لغزش کا صدور ہو گا تو دوسری کی تذکیر و تنبیہ سے اس کا سدِ باب ہو سکے گا ۔ یہ فرق عورت کی تحقیق کے پہلو سے نہیں ہے ، بلکہ اُس کی مزاجی خصوصیات اور اس کے حالات و مشاغل کے لحاظ سے یہ ذمہ داری اس کے لیے ایک بھاری ذمہ داری ہے ۔ اس وجہ سے شریعت نے اس کے اُٹھانے میں سہارے کا انتظام فرما دیا ہے ۔"

۶ ۔ شام کے معروف عالمِ دین ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی اپنی کتاب " المراۃ بین الفقہ و القانون میں ص ۳۲ - ۳۳ پر تحریر کرتے ہیں :

" عورت کی نصف شہادت کا مسئلہ عزت ، بے عزتی یا اہلیت اور عدمِ اہلیت کا نہیں ، بلکہ حصولِ یقین کی بنا پر فیصلہ کرنے اور قضا میں احتیاط برتنے کا ہے فیصلہ کرتے وقت احتیاط کا دامن تھامے رکھنا ہر عادلانہ قانون کی ضرورت ہوا کرتا ہے ۔"

ہم نے صرف بطور نمونہ چند قدیم اور چند جدید مفسرین کی تفسیروں سے اِس آیت کی وضاحت پیش کی ہے ، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام مفسرین دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی جگہ ضروری اور اس کے برابر سمجھتے ہیں ۔ مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر خازن جلد ۱ ص ۲۵۸ ، احکام القرآن جلد ۱ ص ۲۵۵ ، ۲۵۶ - بلکہ "تبیان القرآن" میں مولانا غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں کہ " کچہری کے استفسارات سے گھبرا کر اگر ایک کچھ کا کچھ کہہ دے تو دوسری ٹھیک بات بتا دے ۔" جلد اوّل - ص ۱۹۴ ۔

احادیث کی رُو سے مذکورہ آیت کی وضاحت

اب اس کے بعد قانونِ اسلامی کے دوسرے ماخذ یعنی حدیث کی طرف آیئے ، کیونکہ سلف کا یہی طریقہ ہے کہ وہ قرآن کی مشکلات کی وضاحت حدیثِ رسول ؐ سے کرتے ہیں ، کیونکہ رسول کریم ؐ سے بڑھ کر قرآن کے منشا و مفہوم

کو سمجھنے والا اور کوئی نہیں ہے صحیح بخاری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

۱- شَهَادَةُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ (کتاب الحیض)

"عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی ہے۔"

۲- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے عورتوں کے گروہ! تم صدقہ وخیرات زیادہ کیا کرو ...... میں نے تم سے زیادہ عقل و دین میں ناقص ہونے کے باوجود عقل مند مردوں کی مت مارنے والا کوئی نہیں دیکھا"۔ عورتوں نے سوال کیا یا رسول اللہ ہماری عقل اور دین کا کیا نقصان ہے"؟ آپ نے فرمایا "عقل کی کمی کا ثبوت یہ ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہوتی ہے اور دین کا نقصان یہ ہے کہ عورتیں مخصوص ایام میں نہ روزہ رکھتی ہیں، نہ نماز ادا کرتی ہیں"۔ (صحیح مسلم[1])

۳- فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةَ رَجُلٍ [صحیح مسلم عن ابی هریرة]

عورت کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے۔

عورت کی شہادت کا نصف ہونا ہی عین انصاف ہے۔ اب آیئے نقلی کے بعد عقلی دلائل کی طرف۔ یہ مسئلہ تفاوتِ مرد و زن کا ہے ہی نہیں، نہ اس میں کوئی حقوق و مساوات کی بحث ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ اسلام نے مرد و عورت کی شہادت[2] کے درمیان فرق

---

[1] آج کل اس حدیث کو ہی موضوع ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، مگر یہ دو تین سندوں سے مروی ہے، اس لیے کس کس سند کو موضوع کہا جائے گا۔ آخر بات کچھ تو ہے ہی جو مختلف حوالوں اور سندوں سے بیان ہوئی ہے۔

[2] اس ساری صورتِ حال میں مسئلہ شہادت سرے سے زیرِ بحث ہی نہیں ہے یہ تو بے حیائی کو، عریانی و فحاشی کو پاکستانی معاشرے میں فروغ دینے کی ایک شکل ہے، ورنہ آج ہمارے معاشرے میں مالی معاملات میں بھی عورتوں کو گواہی دینے کی ضرورت کہاں (باقی بر صفحہ آئندہ)

رکھا ہے، مگر اس فرق کو عورت کی توہین سمجھنا سراسر زیادتی ہے ۔ یہ فرق خود عورت کے اپنے مزاج، فطرت، اس کے دائرۂ کار اور وظیفہ حیات ہی کے اندر موجود ہے۔

۱۔ مزاج طبع | جذبات کی لطافت، وجدان کی نزاکت اور زود حسی ایسی خصوصیات ہیں جو عورت کے مزاج کا لازمی جزو ہیں - ان کے نتیجے میں عورت میں شدید جذباتیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہی جذباتیت ہی تو ممتا کی جان ہے جو بچے کی پرورش کے لیے انتہائی ضروری ہے ۔ بچے کی پرورش کے لیے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہے وہ جذباتی ہونی چاہئیں، تاکہ بچے کی ضروریات پوری کرنے کے موقع پر دل و دماغ سے سوچنے کی نوبت ہی نہ آئے ۔ اور کسی سستی یا تاخیر کے بغیر عورت اس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے بے تابانہ اُٹھ جائے ۔ لیکن دوسری طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

پیش آتی ہے ۔ کتنے فیصد یا فی ہزار عورتیں عدالت میں جا کر گواہیاں بھگتتی ہیں ۔ یہ مسئلہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکی ہوں اُن خواتین کی طرف سے اُٹھایا گیا ہے جنہوں نے علماء کرام کی ڈاڑھی کو "جنگل" کا نام دیا ۔ زنا کے مجرم کو "مظلوم" گردانا اور شادی کو ایک "گھناؤنے بندھن" سے تعبیر کیا ۔ دیکھیے روزنامہ جسارت ۱۰ مارچ ۱۹۸۳ء ۔

جو لوگ عورت کی شہادت کو مرد کے برابر کرنے کی سعیٔ لاحاصل میں مصروف ہیں ۔ وہ بتائیں اگر مرد و عورت کی شہادت مساوی (۱ = ۱) تسلیم کر بھی لی جائے تو کیا اس سے عورت کی دفاتر میں بے حجابانہ ملازمت کا جواز مہیا ہو جائے گا ۔ یا بے پردہ بازاروں میں پھرنے اور بن سنور کر نکلنے اور غیر مردوں سے اختلاط کی پابندی عورتوں پر سے اُٹھ جائے گی ۔

شریعت آپ کو از راہ لطف و کرم ایک گرانقدر ذمہ داری سے مستثنیٰ کر رہی ہے ۔ اور آپ اس ذمہ داری کے عائد نہ کیے جانے پر سراپا احتجاج بنی ہوئی ہیں ۔ اسے ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے ۔ اصل بات یہی ہے کہ ہماری محدود اور ناقص عقل میں اس کی حکمت سمجھ آئے یا نہ آئے یہ مسئلہ ہماری خواہشِ نفس کے خلاف ہی کیوں نہ پڑتا ہو ۔ ہمارے ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ اسے برضا و رغبت تسلیم کر لیا جائے ۔

یہ جذباتیت گواہی کے لیے غیر موزوں بلکہ نقصان دہ ہے۔ وہاں تو عقلی صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تحلیل و تجزیہ، سوچ بچار، درست مشاہدہ، درست قوتِ حافظہ اور بلا کم و کاست حالات کو بیان کرنا ضروری ہوتا ہے۔ عورت پڑھی لکھی بھی ہو، اکیلی کچہری جانے سے گھبراتی ہے وہ قاضی کی جرح سے پریشان ہو کر بھی غلط بات کہہ سکتی ہے۔ گھبرا کر بھول سکتی ہے۔ ویسے بھی عورت پر حیض، نفاس، حمل، زچگی اور رضاعت وغیرہ کے جو ادوار گزرتے ہیں وہ اس کی طبیعت میں چڑچڑاپن پیدا کر دیتے ہیں۔ اور چڑچڑے پن سے پھر وہی جذباتیت نمودار ہوتی ہے سید قطب شہیدؒ اپنی کتاب "اسلام اور جدید ذہن کے شکوک و شبہات" میں تحریر کرتے ہیں:- "ہو سکتا ہے کہ وہ جس مجرم کے خلاف یا حق میں گواہی دے رہی ہو، وہ کوئی حسین عورت ہو اور وہ ضد اور جلاپے کی وجہ سے اس کے خلاف جھوٹی شہادت دے بیٹھے۔ اسی طرح یہ بھی عین ممکن ہے کہ ملزم کوئی نوعمر مرد ہو جس کو دیکھ کر گواہ کی مامتا بیدار ہو جائے اور وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کو بچانے کی کوشش میں کوئی خلافِ حقیقت گواہی دے بیٹھے۔ مگر جہاں دو عورتیں بیک وقت عدالت میں گواہی دے رہی ہوں وہاں پر ان دونوں کا ایسی غلطی میں مبتلا ہو جانا اور غلط شہادت دینا بعید از قیاس ہے کہ جہاں ایک حقیقت کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو گی، وہاں دوسری عورت اس کی اصلاح کر دے گی۔ اس طرح شہادت کے غلط ہونے کا امکان دُور کیا جا سکے گا"۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ ملزم کوئی بارُعب شخصیت ہو اور وہ اس کے رُعب تلے دَب کر خلافِ حقیقت بیان دے بیٹھے تو پھر دوسری اس کی اصلاح کر دے گی — چنانچہ ماہر نفسیات ہیولاک ایلس (HEOLOCK ELLIS) اپنی کتاب "مرد و عورت" میں لکھتا ہے: "عورتوں میں بہ نسبت مردوں کے تاثر و انفعالیت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے"۔ ایک اور مشہور مغربی فلاسفر "پرودُھن" اپنی کتاب "ابتکار النتظام" میں لکھتا ہے۔ "عورت کے حواس ⅓ مرد کے حواس سے ضعیف تر ہیں"۔ "مرد کے مغز کا وزن عورت کے مغز سے سو (۱۰۰) ڈرام زیادہ تر ہے"۔

۲- سہو و نسیان | یہ بھی عورت کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ چابیاں رکھ کر سارے گھر میں ڈھونڈتے پھرنا عورتوں کی ایک عام مجبوری ہے۔ ایک ہی واقعہ کو مرد دس بار بیان کرے تو وہ کم و بیش

ایک ہی جیسے الفاظ بیان کرے گا۔ مگر عورت ایک واقعہ کو دس بار بیان کرے تو ہر دفعہ کچھ نہ کچھ کمی بیشی کرتی جائے گی۔ چنانچہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی مذکورہ بالا آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں: "رہا یہ سوال کہ عورت کی شہادت مرد کے مقابلے میں ضعیف کیوں ہے اور نسیان کا احتمال مرد کی شہادت میں کیوں نہیں رکھا گیا۔ تو یہ سوالات دین و اخلاق کی دنیا میں ایسے ہی ہیں جیسے جسم و مادیات کی دنیا میں یہ دریافت کیا جائے کہ حمل و رضاعت کا تعلق عورت ہی سے کیوں رکھا گیا ہے اور مرد کو باوجود اس کی قوت وجسامت کے اس بار کے قابل کیوں نہیں سمجھا گیا فاطر کائنات ظاہر ہے کہ جسمیات و مادیات کے ایک ایک دانہ سے واقف ہے۔ اس کے پیش نظر ذہنیات و اخلاقیات کی باریک سے باریک حقیقتیں تھیں، بلکہ مغرب کے ایک ماہر نسائیات ہیولاک ایلز (HEOLOCK ELLIS) نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ "عورت کے لیے دھوکا اور فریب تقریباً طبعی امر ہے"

۳۔ عورت کا دائرۂ کار | کسی حقیقت کی رسائی تک جتنا دخل آدمی کی فکر و فہم کو ہوتا ہے، اتنا ہی اس کے طبعی ذوق اور عملی دائرۂ کار کا بھی ہوتا ہے۔ ایک ہی واقعہ کسی کے دامنِ توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ پھر وہ اس کی تہہ تک پہنچنے اور اس کا تجزیہ کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ مگر دوسرا شخص اس واقعہ کے پاس سے سرسری طور پر گزر جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کی طبیعت یا دائرۂ کار سے غیر متعلق ہوتا ہے۔ ایک کاروباری آدمی علمی مسائل کو اتنی تیزی سے نہیں سمجھ سکتا جس طرح کہ ایک طالب علم۔ یہی حال عورت کا ہے۔ اس کا ذہنی مزاج اور اس کے عمل کی دنیا دونوں مرد کے مزاج اور دائرۂ کار سے الگ ہیں، لہٰذا وہ اپنے دائرۂ کار کے اندر ہونے والے واقعات کا تو بخوبی مشاہدہ کر سکتی ہے اور عمدگی سے ان کو ضبط میں رکھ سکتی ہے۔ مگر اپنے حدودِ عمل سے باہر ہونے والے واقعات کا نہ تو وہ مرد کی طرح مشاہدہ کر سکتی ہے، نہ اس کی طرح ضبط رکھ سکتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود شریعت نے اس کی حدودِ عمل سے باہر ہونے والے معاملات میں بھی اس کی شہادت قبول کی ہے۔ مگر سہو و نسیان کے احتمال کے پیش نظر دوسری عورت کی موجودگی لازمی قرار دے دی۔

روزمرہ کے مشاہدات | بہت سے روزمرہ کے مشاہدات ایسے ہیں جن سے حقیقتِ حال کا اندازہ ہوتا ہے:

— اگر کہیں مرد وکیل بھی ہو اور عورت وکیل بھی، تو آپ مرد وکیل کو چنیں گے یا اپنا مقدمہ عورت وکیل کے حوالے کر دیں گے۔

— عورتیں خود یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں کہ وہ کچہری جانے سے کتنا گھبراتی ہیں۔ اگر بامر مجبوری جانا ہی پڑے تو کسی نہ کسی مرد کو ساتھ لے کر جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ خوب پڑھی لکھی عورتیں بھی کچہری جانے سے گریز ہی کرتی ہیں۔ اور جج کی تفتیش سے حواس باختہ ہو جاتی ہیں۔

— مرد اکیلا ہر جگہ چلا جاتا ہے جب کہ عورت جہاں بھی جائے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی مرد ساتھ ہو، چاہے اپنا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

— بچہ بیمار ہو، باپ پُرسکون ہوگا۔ مگر ماں کا حال ناگفتہ بہ ہوگا۔ اسی طرح خدانخواستہ بچہ فوت ہو جائے تو باپ بہادری اور صبر سے سہہ لیتا ہے، جب کہ ماں کو بار بار غشی پڑتی جاتی ہے۔

— مرد معاملات کا تجزیہ بنظرِ غائر کرتا ہے، جب کہ عورت تجزیہ کرنے سے گھبراتی ہے۔ وہ بہت جلد جذبات کی رَو میں بہہ کر یک طرفہ فیصلہ کر ڈالتی ہے۔

— نکاح، شادی، طلاق وغیرہ کے معاملات میں عورت (۲ : ۱) گواہ بن سکتی ہے، مگر ترجیح مرد ہی کو دی جاتی ہے۔ خود عورت مرد ہی کو گواہ بنا کر خوش ہوتی ہے۔

— ذرا اور آگے چلیے، لیڈی ڈاکٹروں کی کمی نہیں، مگر خود مرد حضرات چاہتے ہیں کہ ان کی بیویوں کی زچگیاں مرد ڈاکٹروں سے سرانجام پائیں محض اس وجہ سے کہ عورت کی نسبت مرد زیادہ کامیاب اور محتاط [illegible] کر سکتے ہیں۔

یہ مشاہدات کہاں تک گنوائے جائیں۔ خود ہماری روایات بھی ایسی ہی ہیں کہ عورت ہر ذمہ داری اور احتیاط کا کام مرد کے حوالے کر کے مطمئن ہو جاتی ہے۔ مرغی تک بھی وہ خود ذبح نہیں کرتی، اس کے لیے بھی وہ مرد ہی کی تلاش میں رہتی ہے۔ اسلام نے عورت کی

مالی حیثیت کو تسلیم کیا ہے، وہ کما سکتی ہے۔ اپنی جائیداد اور کمائی میں خود تصرف کر سکتی ہے، مگر عملاً مشاہدہ یہی ہے کہ وہ اپنے مالی معاملات بھی سارے کسی نہ کسی مرد ہی کے حوالے کر دینا چاہتی ہے۔ یہ سب حقائق اس بات کے لیے مضبوط دلائل ہیں کہ عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی کیوں رکھی گئی ہے۔ بقول اقبالؒ

"نسوانیتِ زن کا نگہبان ہے فقط مرد"

اب آئیے مغربی معاشرہ کی طرف جہاں کی عورت مشرقی عورت کی نسبت زیادہ بے باک ہے اور ذمہ داری سے اپنی دفتری ڈیوٹیاں بھی انجام دیتی ہے، اس کو خود اعتماد ہونے کا دعویٰ ہے، مگر عملاً صورتِ حال یہی ہے کہ اہلِ مغرب کے تمام دفاتر، تجارتی مارکیٹیں، بازار، تقریباً ہر جگہ مرد ہی چھایا ہوا ہے، ہر جگہ مرد کا تسلط ہے، عورت اس کے ماتحت کام کرتی ہے۔ ملازمتوں میں عورت کی شرح ایک تہائی بھی تسلیم کر لی جائے تب بھی یہ بات مسلمہ ہے کہ وہ ذمہ داری کا کوئی منصب عورت کے حوالے نہیں کرتے۔ ایک ہی پوسٹ پر مرد و عورت تعینات ہوں تو کارکردگی کا مجموعی تناسب مرد کا زیادہ اور عورت کا کم ہوتا ہے۔ اگر کارکردگی کا تناسب یکساں یا بالفرض استثنائی حالات میں کہیں زیادہ ہو بھی جائے تو تنخواہ عورتوں کی مردوں کے مقابلے میں کم ہی ہوتی ہے۔ عورت کی پستی، توہین اور حقارت کا تصور ان کے ذہنوں میں برابر جاگزیں ہے۔

LEE. H. BOWKER اپنی کتاب "WOMEN AND CRIME IN AMERICA" کے صفحہ ۲۵۹ پر لکھتا ہے:

"بچوں کی نظمیں، پریوں کی کہانیاں، دیومالائی افسانے، قانونی کتب، بچوں کی کہانیاں جو بچوں کو ہفتہ کے ساتوں دن یاد کرائی جاتی ہیں، ان سب میں ایسی ہی باتیں موجود ہوتی ہیں، جن میں عورتوں کو پست مخلوق کی طرح دکھایا جاتا ہے۔" مشہور انگریز ادیب "چارلس لیمب" بچوں کی مندرجہ ذیل نظم کو بہت پسند کرتا تھا۔ یہ نظم بھی بچوں کو ہفتے کے ساتوں دن یاد کرانے کے لیے لکھی گئی تھی۔ اور اسکولوں میں عام رائج تھی۔ بلکہ چارلس لیمب اپنے دوستوں کو

بھی خطوں میں لکھ لکھ کر یہ نظم بھیجا کرتا تھا۔ نظم مندرجہ ذیل ہے:

I MARRIED A WIFE ON SUNDAY
SHE BEGAN TO SCOLD ON MONDAY
BAD WAS SHE ON TUESDAY
MIDDLING WAS SHE ON WEDNESDAY
WORSE WAS SHE ON THURSDAY
DEAD WAS SHE ON FRIDAY
GLAD WAS I ON SATURDAY NIGHT
TO BURY MY WIFE ON SUNDAY

ی۔ایچ۔ باؤکر کے مندرجہ بالا اقتباس کو اور خصوصاً بچوں کی اس نظم کو پڑھیے اور سر دھنیے کیا یہی وہ مقام ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے ہماری بیگمات کا طبقہ اتنا بے تاب و بے قرار ہے ---؟

(باقی)